جلد ۱۱ نمبر ۱۲

مضامین غیر

پنجشنبہ ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء

خاتمہ

لیے سرمۂ تحقیق کی دُم ریزی

(نمبر ۱۳)

(تتمہ ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء)

اودھ پنچ کے ۲-۳ نمبروں میں شرح بیخود کے نمونے پر تبصرہ کیا گیا تھا جس سے حضرت بیخود نے صرف دو نمبروں کا جواب بعنوان سرمۂ تحقیق خدا خدا کر کے اب ختم کیا اور ساتھ ہی جواب بھی حاصل کر لیا۔ تبصرہ خود ہی مکمل تھا مگر مضمون میل تحقیق میں وہ امور زیادہ واضح کرنا پڑے۔ جو سرمۂ تحقیق لگانے پر بھی حضرت شارح کو سجھائی نہ دیے تھے۔

طالب علمی کے زمانے میں جب ہم نے قطبی (مشہور درسی کتاب) ختم کی تو اُستاد نے فرمایا میر قطبی (شرح) شروع کرو۔ قطبی ایک واضح اور نفیس متن ہے اس وجہ سے ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ مولانا کیوں میر قطبی کے درس پر اصرار کرتے ہیں۔ اُستاد کے حکم کی تعمیل فرض تھی بروشنہ خاطری سبق کے ساتھ کتاب پڑھی مگر دل میں آج تک گُتھی جیوں کی تیوں رہی۔ خدا بھلا کرے بیخود صاحب کا انھوں نے مضمون بیخودی ملاحظہ فرمانے کے بعد سرمۂ تحقیق پیش کر کے گُتھی سلجھا دی جن امور کو ہم اپنے نزدیک مضمون بیخودی میں بسط کے ساتھ لکھ چکے تھے وہ حضرت بیخود کے لیے ایک دقیق متن بن گئے۔ کئی صاحبان فہم احباب نے بہت کہا کہ یہ تو وہی باتیں ہیں جن کو تم مضمون بیخودی میں لکھ چکے ہو۔ کیا ایسے کودن بھی دُنیا میں موجود ہیں جو ایسی صریح و صاف عبارت سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے؟ بتائیے ہم اس کا جواب کیا دیتے دل ہی دل میں کسی کا نام لے کے خاموش ہو رہے۔ اور بعض کی خدمت میں حضرت بیخود کی آخری التماس پیش کر دی جس میں انھوں نے اپنی کوتاہی فہم کی تحسین خود ہی فرمائی ہے۔ التماس ہے مزے دار لہٰذا حرف بحرف نقل کی جاتی ہے تاکہ جواب کا لطف ضائع نہ ہونے پائے۔

فرماتے ہیں: "التماس"

کمند گر نہ گردی با تو گوئیم
کہ با شستِ غبارِ سنا چہ کردی

اے میرے نازک مزاج اعتراض کرنے والے تیرا منہ پاؤں تو کچھ اپنی بیتی سناؤں۔ بیخود ناشاد معترض نہیں مجیب ہے اُس پر اتنا عتاب کیسا۔ اُس سے اتنی برہمی کیوں۔ تو حُسن خطاب میں کوشش کر چکا میں رد جواب میں کاوش کر چکا۔ جی چاہتا تھا کہ تو اپنے دل سے انصاف کرتا اور دُنیا کو تیری دیدہ درائی پر انگشت بدنداں ہونے کا موقع نہ ملتا۔ مگر خبر نہیں کہ تو کیا چاہتا ہے۔ مجھے سال بھر میں دو مہینے ملتے ہیں۔ اگر یہ زمانہ بھی کاوشوں میں گزرا تو پھر تو ہی بتا دے کہ سال آیندہ کی بیداد کے تحمل کی کوئی صورت ہے۔ ایک تعطیل کا زمانہ تیری بالک ہٹ کی نذر ہو گیا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اعتراض کرنا کیا مشکل ہے مگر میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ اگر اعتراض حقیقی معنی میں اعتراض ہو تو معترض کو اتنی ہی عرق ریزی اتنی ہی موشگافی کرنی ہو گی جتنی مجیب کو۔ اعتراض کا حُسن یہ ہے کہ صحیح ہو۔ اور اعتراض کی شان یہ ہے کہ دُنیا ایک طرف ہو جائے تو بھی نہ اُٹھے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے بڑے صبر سے کام لیا نئے نئے داغ کی سوزش کلیجا پھونکے دیتی تھی۔ موسم کی گرمی خاک کیے دیتی تھی اور میں یہ شعر پڑھتا جاتا تھا اور جواب لکھتا جاتا تھا۔

بسملوں سے بھی ناز اُٹھوائے
ہائے انداز میرے قاتل کے

اور لکھتا اس نظر سے تھا کہ میری خاموشی کو جواب سمجھ کر حیا کی آگ میں نہ جلے۔ میرے احباب آزردہ نہوں دشمنوں کو بیجا طعن کرنے کا موقع نہ ملے۔ ورنہ اس ارنی کا جواب لن ترانی تھا۔

تجھے قسم ہے سچ بتا کہ کوئی اعتراض بھی اس قابل تھا کہ اس پر توجہ کی جاتی۔ دیکھ بے گناہ خاک نشینوں کو نہیں ستاتے ہیں تجھ سے کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں ؎

مارا خیال جنگ و سر کارزار نیست
ورنہ دل دو نیم کم از ذوالفقار نیست

ناچیز محمد احمد بیخود موہانی

جواب:۔ "التماس"

کچھ شک نہیں کہ حضرت ... ہیں خوب چیز
پر اور بات ہے کہ ذرا ... ت ہیں

ارے بیخودی کے متوالے۔ الٰہی نادان ہوئے ہاے۔ یہاں جگ بیتی سے مہلت کہاں جو کسی کی "آپ بیتی" پر توجہ ہو۔ بیخود ناشاد معترض ہو یا مجیب مگر اس نے یہ بیجا بات کی کہ شرح طباطبائی سے مدد لے کے غالب مرحوم کی فارسی نما پہیلیاں بوجھنے پر قادر ہوا پھر احسان فراموشی دیکھیے کہ طباطبائی کو غترے ڈبے بتائے دوسرے شرح کرنے والے آئیں بائیں شائیں لکھ لکھا کے رخصت پا گئے۔ بیچاری شرح نجم کے چھوڑا۔ نہ متن سمجھ میں آیا۔ نہ شرح سمجھانے کے لیے لکھی۔ اُن پر نہ غالب کُشی کا اتہام ہے۔ نہ کم فہمی کا الزام۔ خدارا تو ہی انصاف کر کے مجھے سمجھائے "۲۰ بیل" تو مجھے اس کا تقاضا کس کی جانب سے ہوا۔ کون معترض ہے اور کون مجیب۔ عتاب خطاب کی بیل کس طرف سے ہوئی خاکسار بار بار کو عتاب سے کیا سروکار مجیب جواب دینا آتا ہے وہ کسی پر کب جھلاتا ہے روا داری کی نظر حُسن خطاب کی کوشش نہیں رد جواب میں کاوش کا حال مجیب کو معلوم ہوگا۔

ہم کو دل لگی سے غرض ہے کہیں سہی

مجیب یا معترض خود انصاف کی صفت سے متصف ہو یا نہ ہو دُنیا انصاف سے خالی نہیں۔ میل تحقیق ...

اور سرِ رشتۂ تحقیق کا ساتھ ہے۔ سلائی اور سرمہ کا جوڑ ریکھ کے جو کوئی انگشت بدنداں ہے وہ سرمہ دانی کی نقل کرتا ہے سیل انگشت۔ سرمہ داں وغیرہ خواہ بکھنڈ ماراچ ؟

رہی یہ بات کہ خاکسار اودیار کیا چاہتا ہے۔ آپ بے خبر اودھ پنچ کے اوراق اُلٹ پلٹ کے دیکھ وہ مقام تحقیق میں کسی کی ہیچ نہیں کرتا وہ اردو زبان کو خواہ مخواہ مجلس بنانا ہرگز نہیں چاہتا وہ اسکے محاورات کو بحال خود قائم رکھنا چاہتا ہے۔ وہ علمی اصطلاحات یا ایسے اسما کے سوا جو اُردو میں موجود نہیں ہیں بے ضرورت ثقیل الفاظ کی بھرمار نہیں کرنا چاہتا کہ اُردو کی لطافت اور شیرینی خاک میں مل جائے۔

مقابلے کا حوصلہ ہونا اور کم فرصتی کا عذر یہ دونوں باتیں اگر اکٹھا ہو گئی ہیں تو اسے عیب سست کلام صاحبان فرصت وحوصلے مدبیر کی ضرورت کیا ہے۔ حاجی لقلق جیسے کی طرح ابھی ... اور آ سودگی حاصل کرلے۔ جواب الجواب کا تقاضا کس نے کیا تھا داغ دار کلیجے کو بھی الہام دینا لازم تھا جوم کی گرمی ٹھنڈے ٹھنڈے فالودے سے رفع کی ہوتی اور یہ مصرعہ پڑھا ہوتا ؎

زباں ترسیم وکرم ز گفتہ استغفار

پیر اول ہی خوب جانتا ہوگا کہ شیخ ... ایرادات سے اہل علم کے دیکھنے کے قابل بھی نہیں۔ جب نمونہ ہی بے ڈھنگا ہے تو خریدار کیونکر متوجہ ہوں گے۔ پروفیسر کرشن ... ہوتا ہے خاک نشینی کا دعویٰ غلط ہے۔ ... سے کام لینے کے لیے مرد میداں درکار ہے نہ ہیچکار۔ فولاد بازو سے پنجہ کشی کا نتیجہ آخر یہی ہوا کہ کلائی مڑک گئی اب زور آزمائی فضول ہے۔

راقم

خاکسار او دیار الشعرا

گزارش :- سست نمونہ طلب نہ کیجیے بھیجا نہ جائیگا تین ماہ کے پیسے عنایت فرما دیں جائیے۔ تاکہ اودھ پنچ سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

مینیجر

قطعہ تاریخ

(از جناب نواب محمد شفیع خاں صاحب متخلص بہ حسن صاحب)

سحر تھی صبح بہار گلشن چہکتے تھے طائر خوش الحان
مگر تھی تاریخ عید کی جو آیا اخبار آئی ... بی بی
وہ ہیں جو لب اور طبیعت قدیم اعیان ... ہیں
ہمیں ملا ہے خطاب راجہ تو یہ اعجاز ... ہیں ہی
دیکھیں جہاں احباب شاد و خرم ہوئی گورنمنٹ کی سنہ



کونسل :- تم میرے ساتھ ناچ نہیں سکتے ؟
سوراجی :- ناچ نہیں سکتے تو روٹھ سکتے ہیں ؟

ملنا ہے پبلک کی خدمتوں کا ہمیں یہ جسکی قبہ دل
کرم رہے گا یوں خدا کا ترقیاں روز کی ہو گی
... جیسی لگے ... مونگے ... ہم کا
مجھے ہوئی فکر سال ... تو پوچھا ... ہیں ...
کہی انتخاب جدید لا ہے مبارک ہو حسن ... بی

۱۹۲۶ء

ستارۂ دکن

حضرات۔ میرے خیال میں رنگ ہی ایک ایسی چیز ہے جس کو ہر فرد بشر پسند کرتا ہے خواہ وہ کسی قوم کسی مذہب کسی ملک کا کیوں نہ ہو۔ ہاں جو کچھ فرق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی کسی قسم کے رنگ کو زیادہ پسند کرتا ہے اور کوئی کسی قسم کے۔ کوئی گہرا رنگ پسند کرتا ہے کوئی ہلکا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابتدا سے ایجاد رنگ سے اسوقت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ کسی جگہ رنگ قطعاً ناپسند کیا گیا ہو۔ ایجاد کا زمانہ جانے دیجیے اُس زمانہ میں بھی جبکہ تمدن کا آغاز تھا مختلف پھولوں اور پتیوں کے عرق سے جسم رنگین کیا جاتا تھا۔ آسام اور امریکہ کے وحشی باشندے اب بھی اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ خدا میاں بھی رنگ پسند کرتے ہیں آسمان بنایا تو نیلا شفق سُرخ۔ قوس قزح ہفت رنگ۔ رات سیاہ دن سپید۔ پتیاں سبز۔ پھول گلابی۔ زعفرانی وغیرہ۔ استاد ذوق نے سچ کہا ہے ؎

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

پرانے زمانہ میں گہرا اور شوخ رنگ پسند کیا جاتا تھا آجکل ہلکا رنگ پسند کیا جاتا ہے لیکن پرانے زمانہ میں کوئی استثنا نہ تھا وہ آج کل ہے کیونکہ یہ بھی ایک اصولی چیز ہے۔ پرانے زمانہ میں داڑھی یا تو بزرگی ہوتی تھی یا پہچان تھا۔ اس زمانہ میں بھی اول تو داڑھی پسند نہیں کی جاتی بقول شاعر ؎

حضرت موسیٰ گرے غش کھا کے کوہ طور پر
داڑھی منڈواؤ میں یا آئی خدا کے نور سے

اور اگر پسند کی جاتی ہے تو اس درجہ سیاہ کہ کسی سیاہی رخسار ہاں برعکس ہو جس روز ایک سفید بال بھی اگر کسی کی نگاہ پڑ گئی مجھ لیجیے کہ رسائی قدر ... ہو گئی۔ اس حالت کا ...

ایشیا اور یورپ دونوں جگہ ہو چکا ہے چنانچہ اس آفت بیقدری سے بچنے اور عیب پیری کو چھپانے کے لیے نت نئے خضاب تیار ہو رہے ہیں اور کوئی اخبار یا رسالہ ایسا نہیں جس میں دوا سے قوت کے ساتھ ساتھ خضاب کا اشتہار نہ ہو جب ہندوستان کے تقریباً ہر بڑے شہروں نے ایک نہ ایک خضاب پیش کیا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ریاست حضور نظام اس معاملہ میں پیچھے ہٹ جائے۔ ضلع پربھنی کے ایک خود ساختہ ڈاکٹر آدم جی صاحب نے آخر ایک خضاب ایجاد ہی کر ڈالا اور صبح کا ستارہ کے جوڑ پر ستارۂ دکن نام رکھا۔ اسکا استعمال میرے ایک دوست جناب انور نے فرمایا۔ نتیجہ صرف اتنا نکلا کہ تقریباً ایک ہفتہ گھر میں منھ چھپائے پڑے رہے۔ آنکھ اور ناک سے پانی جاری رہا کھال جا بجا سے پھٹ گئی چہرہ متورم ہو گیا۔ انور صاحب نے بمقتضائے

کر شاعر جو رنجد بگوید ہجا

ایک قطعہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

نہیں ہمیں شکایت کچھ کسی کی جانتے سب ہیں
ازل سے خلقت آدم میں آئی جہل و نادانی

اس بحر و قافیہ کے انتخاب کی اصل وجہ یہ ہے کہ جناب مفید نے اس بحر و قافیہ کے ساتھ چند شعر خضاب کی تعریف میں لکھے تھے۔ کچھ اپنے محترم دوست انور صاحب کی تکلیف سے متاثر ہو کر اور کچھ پبلک کی اطلاع کی غرض سے جو نظم میں نے کہی وہ ارسال خدمت ہے حضرات ناظرین اس کو پڑھنے سے پیشتر یہ تصور فرمائیں کہ جناب انور سانولے رنگ کے آدمی ہیں خضاب بادی اور پیری نے سیاہ فام کر دیا ہے ؎

خضاب ایسا کیا تیار آدم جی نے لاثانی
سوائے قلب سارے جسم کو کر دے جو نورانی
لایا ہے وہ ایسا رنگ کو جو کر دے ڈبل روٹی
لگائے دانت پر بس۔ اپنی مشکل ہو نگہبانی
لگاتے ہی جیسے کالا ہو منھ اور ورم آ جائے
میسر کچھ نہو حلقوم سے تا بہ پیشانی
سیاہی ایسی لائے ورم سے وہ جب پیدا ہو
کر کے بھونک انھیں دیکھ کر وہ شکل شیطانی
جو اس صورت سے نکلیں ادھر دیکھیں تماشا ہو
جو اس صورت سے داخل گھر میں ہوں پائیں حیرانی
چھپیں گھبرا کے بچے گود میں ماؤں کی جا جا کر
یہ سمجھے بی بی گھس آیا ہے گھر میں کوئی سوڈانی
سپر کر کے شگاف ایسے کرے پیدا یہ چہرہ میں
چھٹی جا من ہو جیسے آ گئے بالکل شرم سے پانی
بجا ہے دو نو نتھنوں کو اگر جریان پیدا ہو
سزا ہے دونوں آنکھوں سے اگر ڈھلتا رہے پانی
جرا حتہا پہ رو آ دیتو کاٹے رات آنکھوں میں
پہ سوزش لذت تجشد نہ دیکھے آگ نے پانی
قرار آرام اور صبر و سکوں کو اسطرح لوٹے
کرے دلی کو غارت جس طرح تیمور و درانی
رکھا کافور تم نے نام زنگی کا زہے حکمت
ستارہ تو دکن کی کا دور کرتا ہے پریشانی
مصیبت اور آفت ہر ہیاپنے ساتھ لاتا ہے
چہ نسبت ذرہ را با آفتاب تاباں مفیدانی
یہ ممکن ہے کہ اک مچھلی کرے تالاب کو گندہ
دکن کے ڈاکٹر اس سے اٹھائیں گے پشیمانی
ہماری کھال کی ساری خرابی اب بیاں کیجیے
کہ کھیا نوچتی ہے بلی جب ہوتی ہے کھسیانی
تمہیں اس سے غرض ہی کیا ہوئی تکلیف یاروں کو
بس اتنی فکر ہے تم کو کہ بھر جائے ہمیانی
کرو گر نام بھی واپس تو اس سے مرنا اتنا ہو
اگر چھم کا بوند کا ڈھلکا ہے گویا اک گھڑا پانی
مفید ایسی دوائیں ڈاکٹر ایجاد کرتے ہیں
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
ازل سے خلقت آدم میں آئی جہل و نادانی
کہا انور نے سچ۔ خاموش اب خفاش کرمانی

خفاش ... محمد

غزل

سنوں تا ہے دہن وہ بت تو پھر شیریں دہاں ہوتا
نہ کرتا بات بھی۔ کیوں ہے۔ اُڑاتا کھیاں ہوتا
زباں پر نام اسکی کیوں نہ اک عالم کا جاری ہو
مرا ہی نام لیتا صرف گر شمو میاں ہوتا
وہ رشک حور اسکو پھر تو لے لیتا کرایہ میں
ہمارا بھی مکاں گر ماورائے لامکاں ہوتا
جو میرے ساتھ اک مارہ کو بھی تو قید کر دیتا
قفس میں پھر تو اے صیاد لطف آشیاں ہوتا
کسی پنڈال میں تقریر سنتے اپنی حسرت تھی
کبھی تشریف فرما گر یہاں وہ جان جاں ہوتا
نکل آیا مرا دل صدقے جاؤں ایسے غیض کے
غضب ہوتا وہ ظالم گر ندھتا گر منہ میاں ہوتا
نماز انکی قضا ہوتی نہ ہرگز نو مہینہ تک
اگر میں ایک شب کے واسطے بھی میہماں ہوتا
لگا رہتا ہے دانتا دنیوں کا انکے گھر ہر دم
الٰہی کاش وہ بت پر دو دار عاشقاں ہوتا
تمنا ہے یہ اے خفاش ایسی ایک شب ملتی
صدا اُف اُف کی ہوتی اور وہ لیتا سسکیاں ہوتا

طرح۔ یہ وہ راز حقیقت ہے جو سمجھا ہی نہیں سکتے
کسی سے قافیوں کی گرچہ گھبرا ہی نہیں سکتے
ردیف ایسی ہے یہ مضمون کو لا ہی نہیں سکتے
گھڑی بھر کے لیے وہ اپنی ماما بھیج تو دیکھیں
یہ بالکل جھوٹ ہے وہ مجھ کو بلوا ہی نہیں سکتے
نہ سے وہ بعد طغیانی جو رہنی وصل پر ٹوکیں
کر ڈوٹے پل بنے تک وہ یہاں آ ہی نہیں سکتے
جہاں جاتے ہیں وہ واں بھی ذکی ساتھ جاتی ہے
گرانی ہے یہ جب تک انکو بلوا ہی نہیں سکتے

بھرے ہوں جس دل مہجور میں کیسے ہی ارماں
اسے نازک بدن زلفوں میں اُلجھا ہی نہیں سکتے
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں فرق بیاہی اور کنواری کا
یہ وہ راز حقیقت ہے جو سمجھا ہی نہیں سکتے
یہ حالت ضعف سے خارش کی اب ہو گئی ہے میری
کہ سگرٹ تک بجز کوشش وہ سلگا ہی نہیں سکتے

راقم

خارش کرانی وکیل از دیوے شریف

پنچ مل خدا ۔ خدا مل پنچ

لالہ کثرت رائے بہادر

یاد ش بخیر وہ زمانہ بھی عجب لطف کا تھا جب لالہ وحدت رائے کی عملداری تھی الہامی قانون کے آگے ہر ایک سر جھکاتا تھا راجا پرجا کے حقوق مقرر تھے۔ اپنے حق سے کسی کو آگے قدم بڑھانے کی ضرورت نہ تھی ۔ ساری دُنیا کے کام ایک ہی ضابطہ سے نکلتے تھے ۔ مگر جب لالہ وحدت رائے بوڑھے ہوئے تو کاروبار اُنکے چھوٹے نورِ چشم لالہ قلت رائے نے سنبھال لیا جن باتوں میں دو یا زیادہ آدمیوں کی ضرورت تھی وہ یوں انجام پانے لگیں کہ ۔۔





پانچ پنچ مل کیجیے کاج
ہارے جیتے نہ آوے لاج

رفتہ رفتہ لالہ قلت رائے کا کھیل بھی بگڑ گیا ۔ بات یہ ہوئی کہ لالہ قلت رائے تھے چھوٹے اور لالہ کثرت رائے تھے بڑے ۔ بڑے کے ہوتے چھوٹے صرف گذارہ پاتے ہیں ۔ اگر لالہ وحدت رائے پنشن لے کے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں گوشہ گیر ہو جاتے تو شاید قلت رائے کی کچھ دنوں اور چلتی ۔ لالہ کثرت رائے نے چھوٹی اُمت کو ایسا بہکایا کہ وہ اپنے قدیمی اور قانونی حقوق پہ قائم نہ رہی زیادہ طلبی نے اُنگلی دکھائی اب جہاں دیکھیے لالہ کثرت رائے کا عملدخل نظر آتا ہے ۔ نہ وحدت رائے کے عہد کا صبر و رضا باقی رہا نہ قلت رائے کے زمانے کی قناعت ۔ رہی ۔ پُرانی قانونی تقسیم حقوق کی وقعت نگاہوں سے گر گئی تو نئے حقوق کی فہرست تیار کرنی پڑی ۔ نائی کی برات میں سب ہی ٹھاکر ہوتے ہیں ۔ احمق بہت ہیں ۔ عاقل دو چار ہیں رندوں سے گلی کوچے بھرے پڑے ہیں متعصبوں کا توڑا ہے ۔ ظالموں کی بہتات ہے ۔ دیانت دار اکا دُکا ہیں خائن ، غدار دوں ہیں ہیں ہزاروں ۔ غرض بیوقوفوں کے ٹڈی دل کی ریل پیل ہو جائے تو اب عقلمندوں کی کوئی نہیں سنتا وحدت رائے پنشن یافتہ ہیں ۔ قلت رائے اپاہج ہیں لالہ کثرت رائے ہر سوسائٹی ہر مجمع ہر گروہ کے آگے نقابت کا حق ادا کرتے پھرتے ہیں ۔ وہاں شفق میں نہ جائے چلو ۔ قانون قاعدہ وہی ہے جدھر چاہا ، شہب قلم کام زن ہو ۔ عموی صاحب خداوند خدا لگاں سعدی صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ

دو دل یک شود بشکند کوہ را
پراگندگی آرد انبوہ را

والدہ لالہ حماقت رائے قدیم الایام سے نکھ لیے ہیں کہ ان کے ہر دو کے خشیہ اجازت نہاں ہے خیبہ دس نقابت کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ جتنے دل ہیں اُتنی ہی خواہشیں ہوں اور ہر ایک صاحب دل نہ صاحب عقل اپنی اپنی خواہشیں پوری کرنے پر آمادہ ہو جائے ۔ ہر فرد بشر کی بات کا درز ہونا ممکن نہیں لہذا حق وکالت ادا کرنے میں ایک وکیل کی ضرورت ہوتی ہے جسے باصطلاح حال نمائندہ کہتے ہیں یہ ضرورت بھی بذریعہ انتخاب پوری کی جاتی ہے ۔ انتخاب میں بھی لالہ کثرت رائے کا ہر جگہ درمیں ہونا لازمی ہے ووٹ کا قرعہ نفسانی خواہشوں کا تابع رہتا ہے جس قسم کی خواہشوں کا دور ہوا اُدھر ہی ووٹ صاحب نے کروٹ بدلی انواع اقسام کی خواہشوں کا اُبھارنا لیڈر سازی کا اصلی گر ہے ۔ جس حماقت شعار نے خواہش بر آنے کی اُمید ہوئی وہی پالا مار گیا ۔ اور نمائندہ بن بیٹھا ۔ چاہے تُے لطیف سے رہا ہو یا نہ ہو ۔ اس طور سے بظاہر لالہ کثرت رائے اپنا گز سکہ چلاتے ہیں مگر ذوی العقول پر سر جھکانے والا سمجھ سکتا ہے کہ لالہ کثرت رائے صاحب وحدت رائے کے اعلیٰ اوصاف سے اکثر فیضیاب نہیں ہو سکتے صرف وحدت رائے کی شباہت اُنکے ہاتھ لگتی ہے ۔ بھلا خدا لگتی کہیے جب انتخاب کرنے والوں میں احمقوں کی کثرت ہو تو فرض شناس صادق امین اور صائب التدبیر قومی وکیل کے واسطے منتخب ہونے کی گنجائش کسقدر ہے ۔

الغرض جس مقام پر لالہ کثرت رائے کا دخل ہے تو سمجھ لیجیے کہ وہاں حماقت کی کثرت بھی ضرور ہوگی ۔ ایسے قصوں ہی کثرت مجھتے ہیں ۔

سود مند

مسلمانوں کو کفایت شعاری کی تعلیم دینے اور ان کی اقتصادی حالت درست کرنے اور سود خواروں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی غرض سے ایک ماہوار رسالہ سود مند یکم جون ۱۹۲۵ء سے جاری کیا گیا ہے جس کا سالانہ چندہ دو روپیہ ہے ۔ ہندوستان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا رسالہ ہے ۔ نمونہ کا پرچہ مفت بھیجا جاتا ہے ۔ جلد درخواست روانہ فرمایئے ۔

خاکسار

منیجر رسالہ سود مند علی گڈھ



بچہ :- اوں - اوں - اوں - ہمارے تمہارے تو نہلانے دھلانے کا اقرار نہ تھا۔

حکومت :- چپ بھی رہ نگوڑے میل کچیل صاف کرنے دے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ گو عقلا کی صحبت سے عقلا احتراز کرتے ہیں مگر جن عقلا کی خوش حماقتی اُٹھتی ہے وہ حماقت کی تکمیل ہاتھ میں لیتے ہیں اور اپنے طالب کے آدمیوں کی تعداد بڑھاتے رہتے ہیں تاکہ لالا کثرت رائے کا بول بالا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ لالا کثرت رائے کی ایک ذات ہے کہ مثل خشکی و تری سہل و جبل ہوا و فضا میں ہر جگہ جلوہ افروز ہیں ہماری ملکی مجالس انتظامیہ میں بھی لالا کثرت رائے کا جلوہ ہے۔ ہماری قومی محفلوں میں بھی آپ ہی سرگرم کار نظر آتے ہیں۔ لالا کثرت رائے کے حماقت شعار عقلی جب کسی مفید خلق کام میں حائل ہوتے ہیں تو بہی خواہ خلق کو زبان ہلانی پڑتی ہے چنانچہ ہمیں یہ سن کے افسوس ہوا کہ آپ کی لالا کثرت رائے نے دہلی کی ویدک اور طبی کانفرنس میں ایک نیا شگوفہ چھوڑا یعنے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں ایک طبی کالج قائم کیا جائے غالباً یہ ضرور اس وجہ سے مسلم یونیورسٹی کے پیٹ میں اُٹھا کہ صوبہ کی گورنمنٹ ویدک اور طب کی ترقی کے لیے کچھ مالی مدد کرنے والی ہے اگر لالا کثرت رائے مہربانی فرمائیں تو یہ رقم کاہے کو کسی دوسری یونیورسٹی کو ملے۔ انگور جاہ و سک کی حرص نے گھیرا ہے خواہ مخواہ پیٹ پھلائے بیٹھی ہیں۔ نام بڑا درشن تھوڑے۔ سب گنوں پوری کوئی نہ گئے لنڈوری۔ بھلا کیسے کجا طب یونانی اور کجا علیگڈھ۔ طب کے بہترین مدارس لکھنؤ میں ہیں طب کے بہترین ماہر مدرس لکھنؤ میں ہیں طب کے اعلےٰ قدردان لکھنؤ میں ہیں طب کے عمدہ دواخانے لکھنؤ میں ہیں۔ طب یونانی کے عمدہ بیمارستان (اسپتال) لکھنؤ میں ہیں۔ طب کے شوقین طالب علم لکھنؤ میں ہیں۔ عربی فارسی اور دیگر علوم مشرقیہ کا چرچا جتنا لکھنؤ میں ہے کہیں نہیں ہے۔ یونانی شاہی شفاخانے سے متعلق ایک وقف بھی ہے جسکے سرمایہ میں تھوڑی سی زیادتی بہت سا فائدہ دے سکتی ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے صیغہ علوم مشرقیہ میں اسوقت شہر کے تمام جلیل القدر افاضل اہل فن کر لیے گئے ہیں لوگوں کا مبلغ علم بھی خوب معلوم کیا جا سکتا ہے۔ علیگڈھ میں طبی کالج بنانے سے نہ کوئی مدد اطبا کو مل سکتی ہے نہ طالبین کو نہ مطبوب کو۔ باعتبار آب و ہوا بھی لکھنؤ علیگڈھ سے فائق ہے۔ مگر لالا کثرت رائے یہی کہتے ہیں کہ چاہے یونیورسٹی کے سنبھالے یہ بوجھ سنبھلے یا نہ سنبھلے طبی کالج ہو تو علیگڈھ میں ہو۔ گانٹھ گرہ میں کوڑی نہیں گئے والے ہوت۔ دیکھیے حکومت وقت لالا کثرت رائے کی حماقت آمیز رائے قبول کرتی ہے یا عقل کو دخل دے کے اصابت رائے کا ثبوت دیتی ہے علیگڈھ کی خاک تو خیر ہمیشہ سے سیمیائی نسخہ فقیرانی ہے ہمیں تعجب تو اس پر ہے کہ وہ محض نام کے مختار حکیمان پر بھروسہ کرتا اور کہتا ہے کہ طبی کالج کے واسطے ہمارے شہر سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔ واقعی ہم بھی صاد کرتے ہیں واہ لالا کثرت رائے جیتی ہو سکے تو پاگل خانے کے قریب طبی کالج کا سنگ بنیاد بھی رکھ دو۔

ریڈنگ شاہی خود مختارانہ حکومت

رڈے پر رڈا جمانے کی حکایت

شادی بیاہ یعنے ذریعہ توالد و تناسل کے بارے میں ہندوستان اور عرب کی حالت بالکل جداگانہ ہے ہندوستان میں خدا رکھے جہیز کی رسم۔ خانہ دامادی کی رسم۔ آؤ پیروں کچھ گھر سے لیجاؤ کی رسم۔ مہر نہ لینے کی رسم۔ ذرا سی نو سا کے پالنے کی رسم کو شادی بیاہ بہت آسان ہے لیکن عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ میں کوئی بھلا مانس اسوقت تک شادی کرنے کی جرات نہیں کر سکتا جب تک کہ مہر کے بھر مٹھی دام جیب میں نہ ہوں۔ مسکن ذاتی نہ ہو۔ نان و نفقہ کی ادائی پر قادر نہ ہو۔ اگلے زمانے میں لوگ اسی جھنجھٹ کی وجہ سے ایک آزاد عورت کو اپنے گلے باندھنا پسند نہ کرتے تھے چاہے وہ تا عمر شادی ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت اسلام کو بہت بڑی کوشش کرنی پڑی کہ لوگ مجرد رہنا چھوڑ دیں۔ نسل قطع نہ پروا در طرح سے بن بیاہی لڑکیوں کی ریل پیل ہونے پائے۔ قرآن میں بہت سی آیتیں نکاح کی تشویق و ترغیب سے متعلق ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں سیکڑوں حدیثیں زن و شو کے تعلقات کو گوارا بنانے کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ قاضیوں اور مفتیوں کو قتل اولاد بخوف املاق (افلاس) کی مدتوں نگہبانی کرنی پڑی۔ جب جاکے کہیں تناسل کی مشین باصطلاح حال جاری ہوئی ورنہ ستم ہی ہو گیا تھا۔ ایسے لوگ بھی تھے جو ازدواج کے بعد نکاح سے رسیاں تڑاتے تھے لہذا مذہبی مولویوں کا مدتوں یہ کام رہا کہ ممبر پر بیٹھ کے "دو مرطانے" کا فرض ادا کرتے رہے اور جہاں تک گویائی میں طاقت ہو دو تنا کہیں و تناسل والے غافل ہونے نہ دیں۔ چنانچہ ایک ترک کی حکایت عربی کتابوں میں درج ہے کہ اُس نے کسی واعظ سے مسجد میں نکاح کے فضائل سُنے واعظ نے دوران تقریر میں بیان کیا کہ جس شخص نے اپنی زوجہ کے ساتھ ایک مرتبہ نسل بڑھانے والا کام کیا فرشتے اُسکے لیے جنت میں گھر کی نیو رکھتے ہیں اور دوسری تیسری مرتبہ دالان کوٹھریاں شہ نشین بالاخانے کی تعمیر شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ محل جمیع جہات سے مکمل ہو جائے۔ ترک صاحب کی شامت جو آئی تو انھوں نے واعظ کا قول بی بی سے آگے بیان کر دیا۔ آپ چاہتے جنت میں گھر بنانا کوئی معمولی بات تو ہے نہیں جو انسان اس سے غافل ہو جائے۔ گھر والی نے سونا دوبھر کر دیا۔ اے میاں، اُٹھو کمرے کی چھت پٹی نہیں۔ اے

یہاں اُٹھو کرے کی چھت بچی نہیں۔ اسے لو مُرغیوں کی ڈھابلی رہی جاتی ہے جبھی سائبان ابھی ادھورا ہے ....

آخر ترک بیچارہ فکر خانہ سازی سے اُکتا گیا اور کہنے لگا۔ بی بی فرشتے کہتے ہیں کہ ابھی ایک روپے کی مٹی سوکھنے نہیں پائی ہے روپے پر روپا جو رکھا جائے گا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جنتی قصر ڈھے جائے اُس دن سے روپے پر روپا جمانے کی مثل زبانِ زد ہوئی یہ معلوم نہیں کہ اُردو میں یہ مثل زبان پر کب جاری ہے مگر عربی میں تو جب کوئی کسی کام میں جلد بازی یا حرص کا اظہار کرتا ہے لوگ کہتے ہیں "یار جل ان الطین اخضر" (ابھی مٹی تازی اور گیلی ہے)۔

ہندوستان میں انگریزی حکومت کو جب سے استقلال ہوا ہے

بکتے ہیں رو رو دیگرے میں آیہ
کا دستور جاری ہے اور ہے

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت

کاؤنسل ہی بکین جو صاحب تشریف لائے اُنھوں نے یہی فرمایا کہ ہمارا ہر نقش قدم تمہارے لیے آزادی و خود مختاری کی جنت میں گھر بنانا ہے گھبراؤ نہیں ایسا نہ ہو کہ روپے پر روپا جمانے میں کہیں دیوار ڈھے جائے صبر سے کام لو دیر آید درست آید ۱۹۱۹ء میں ایک آنے والے نے خبر دی کہ مژدہ باد قصر تیار ہو گیا۔ مگر یہ قصر کسی کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا صرف نقشہ پیش کیا گیا تھا اُسی پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت اس میں چھت نہیں ہے اوس اور دھوپ سے بچاؤ کیونکر ہوگا۔ ہائیں عجب بن ڈھنگی کا بدھا محل ہے جس میں نکاس کا دروازہ بھی ندارد۔ ابھی راہ صحن بھی تو نہیں ہے پردے والیوں کا بے چلے پھرے کھانا کیونکر ہضم ہوگا۔ اے لو موری کا بھی پتا نہیں۔ پرنالے اُلٹے لگائے ہیں اور چھت کا پانی جبینڈی جائے "کیا اچھی کاریگری ہے۔ صدقے اس معمار کے جس نے اولیاء کے واسطے گھر بنایا اور پیخانہ نہ دار دیا۔ اِدھر تو نقشے پر بعض مباحثہ جاری تھا اُدھر رولٹ صاحب کی ذہانت ڈرا اور ڈرامے کی طباعی نے خواستہ و ناخواستہ بہتوں کو اس جنتی مکان کے سیر کرنے سے جیل یا جو پلٹ کے پھر آئے۔ اور لڑنے جھگڑنے والے بالوں میں بھی تفرقہ ہو گیا بڑی تعداد نے تو نقشہ ناپسند کیا مگر جو بھی آگے یہ نسبتی فوری فضیلت معلوم ہوا کہ چاہے مکان جو یا نہو ہم جنت کے بے آباد شہر میں ایک مکان کے مالک تو مشہور ہوئے جاتے ہیں مگر پھر اسی بھولی اُمت نے یہ تقاضا شروع کیا کہ جلدی گھر بناؤ۔ نقشہ بدولت تکلیف بڑھ رہی ہے۔ گنجائش نہیں ہے۔ مکان چاہے نہ بنے نقشہ مکمل ہونا چاہیے۔ یہ دور ہمارے لارڈ ریڈنگ صاحب بہادر کا تھا آپ نے نقشہ کی جانب توجہ کی ہو یا نہ کی ہو مگر اس میں شک نہیں کہ اس باہمی تفرقے سے خوب فائدہ اُٹھایا اور کم از کم انگلستان کے مدبر اُنکے طرز سیاست پر کوئی حرف خلاف کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

اور عجب دل لگی ہے کہ اِدھر آپ نے فرمایا۔ روپے پر روپا جم نہیں سکتا اور اُدھر طوطے کی طرح اہل انگلستان بھی پکارنے لگے "مٹی گیلی ہے" آپ نے کبھی اس سوال کا جواب نہ دیا کہ حضرت مکان کی نیو بھی پڑی یا روپے پر روپا رکھنے کا بہسوا ہی ڈھا کو منہ رہی کھانا جائے گا۔

خدا کا شکر ہے کہ چلتے وقت آپ کی زبان نے برائے تسکین خواطر دو کلمے بنیاد کے متعلق بھی ارشاد فرمائے بزبان پنچ فرماتے ہیں:۔

"پانچ سال تک ہندوستان میں اینجاب نقشے کی قوتوں پر گتھے لڑواتے رہے اس مدت میں ہندوستان خود مختارانہ حکومت کے جنتی قصر کے بالاخانہ پر چڑھنے کے قابل ہو گیا جسکی بنیاد اچھی طرح اور صحیح طور پر رکھ دی گئی ہے۔ یہ سچ ہے کہ روپے پر روپا جمانے کا تقاضا کرنے والے اور سوکھا جواب پا کے جھلانے والے خوشیاں جھنجھلائے جیتے پیتے خصوصاً اُس وقت جب کہ اُنھیں بنیاد میں مضبوط ہونے کے قبل گیلی مٹی پر گنبد اُٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور خاص فیاضی سے کام لینا پڑا اگر یہ روشنی دخول فیاضی تنک مزاج و بے دیانتی تک منجر نہیں ہوئی:

جبھی ہم بھی اپنے رخصت ہونے والے وائسرائے سے چلتے وقت بگاڑنا نہیں چاہتے اور اور اس نالی بھیجنی کا ذمہ دار اُسی شخص کو سمجھتے ہیں جس نے بہ قوت ترک کی طرح گھر میں لا عطا کا بیان نقل کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ گھر تیار ہے۔

در شو ہمارے نئے وائسرائے صاحب اگر روپے پر روپا جمانے اور مٹی گیلی ہونے کا عذر ان ہو بات پر چل جانے والے سنج شدہ رنگین حالات بیتے سو راجیوں سے ذکر تے تو کیا کرتے نصیبوں کی خوبی دیکھیے کہ آنے والے وائسرائے صاحب بھی اسی روش کو پسند کرتے اور اسی نقش قدم پر پاؤں رکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ اس عمارت پر روپا ابھی نہیں ہے کہ جس کا پل چلتا ہے یا مٹی گیلی ہے کا فقرہ آخر عہد تک انکی زبان پر بھی جاری رہتا ہے۔ اس جنت کے رضوان رتنا جم جاؤ، جب تک قصر کی تیاری یا کم از کم نیو بھر جانے کا خاص اعلان نہ کریں اُس وقت تک ہمارا یقین ڈانواڈول رہے گا۔ اور ہم اس فرضی جنتی مکان کے بارے میں غالب مرحوم کا یہ شعر پڑھتے رہیں گے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے